جملہ حقوق محفوظ ہیں - بلا اجازت کوئی صاحب طبع کرنے کا قصد نہ کرے

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

الحمد للہ کہ کتاب مستطاب مظہر فیوضات الٰہیہ الموسوم بہ

انوار شمسیہ

المسمیٰ بہ اسم تاریخی

خطبہ چشتیہ

۱۳۳۵ھ

از تالیف لطیف فصاحت نشان مولوی امیر بخش منشی دربار سیال شریف

بمنظوری مقتدائے عالمین حضرت ضیاء الملت والدین صاحب سجادہ نشین

باہتمام لالہ موہن لال

مطبوعہ مطبع عام مفید واقع شہر لاہور

تعداد کتاب ۱۰۰۰ بار اول ہدیہ کتاب صرف ۸؍

۱۹۱۶ء

منازل میں کس قدر فرق ہے تو مکاشفہ سے معلوم ہؤا کہ حضرت صاحب
مراتب اور مناصب کا انتہا حضرت صاحب اعلیٰ علیہ الرحمۃ سے برتر ہے پھر
کہ حضرت شمس دوران کے غلاموں سے کون غلام اس وقت عظیم الشان
مکاشفہ سے معلوم ہوا۔ کہ مولوی صاحب حفیظ باہی ممتاز الٰہی ہے۔ یہ سن
میرا دل بہت مضمحل ہؤا کہ اس نے حضرت صاحب ثانی کا شان حضرت
شمس دوران سے کیوں زائد بیان کیا ہے۔ تب میں فی الفور اسی وقت
کر موضع کفری میں گیا۔ اور معارف کیش میاں امام الدین درویش کے پیش
ذکر کیا تو وہ سر بہ آغوش ہو کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے کہا
کہ تم مولوی صاحب مرولوی کی خدمت میں جاؤ۔ اور اُن کے آگے یہ حال سناؤ
تب میں تشویش اور ملال سے فی الحال مرولہ والہ میں اُس ذوالکمال کی خدمت
میں حاضر ہؤا۔ عرض کیا مگر آنجناب نے یہ سنکر کچھ جواب نہ دیا۔ پھر عرصۂ ا
سال کے بعد یہ خاکسار اور مولوی صاحب مرولوی بزرگوار حضرت صاحب
ثانی عارف ربانی کی ہمراہی میں پاک پٹن شریف گنج شکر کے دربار پر انوار پر گئے
جب آستان عالی شان سے فائز المرام ہو کر واپس مرخص ہوئے تو اُس وقت
مولوی صاحب نے اس خادم کو فرمایا۔ کہ اے میاں شاہ محمد مولوی صاحب
نوشہروی کی وہ بات تجھے یاد ہے۔ میں نے کہا ہاں جناب پس فرمایا کہ وہ بات
واقعی راست ہے۔ اور اس ذکر کی تقریب میں صاحبزادہ محمد عبد اللہ صاحب
نے تائید کی کہ میں ایک دن مقام توسہ شریف حضرت محمود صاحب کی خدمت
منیف میں بیٹھا ہؤا تھا۔ اُس ذوالاکرام نے مجلس عام میں فرمایا کہ میں نے اپنے
حضرت صاحب یعنے والد ماجد سے یہ سنا ہے کہ مولوی شمس الدین صاحب کمالات
میں اکرم ترین تھے۔ مگر مولوی محمد الدین اُن سے بھی بعض مراتب میں برتر ہیں +

ذکر دیگر

مولوی محمد سعید صاحب ساکن میانی زین لورہ متصل برج اور فضل احمد فرد کہ

ساکن رنیٹری نے میرے پاس ذکر کیا کہ مولوی صاحب قاضی محمد ساکن نوشہرہ نے جو عالم متبحر اور فاضل نامور ہیں۔ بصدق زبان یوں بیان کیا جب حضرت شمس العارفین جنت بریں میں اقامت گزیں ہوئے تو اُس وقت آنحضرت کی فرقت اور حسرت سے میں ایسا لاچار اور بیقرار ہؤا کہ سیال شریف کے دربار پر جانا بھی واگذار کر دیا۔ اس خیال پر کہ جب وہ مقتداء زمان اُس مکان سے خرام فرما گئے ہیں تو اب کس کے لئے وہاں جاؤں اور کس کو حال سناؤں۔ چونکہ میں اس حالت پُر ملامت میں کتاب فتوحات مکی اکثر اوقات مطالعہ میں رکھتا تھا اور وقت بسر کرتا تھا۔ ایک دن اُس میں سے وحدت وجود کی نسبت ایک لاحل مقام جو مشکل تمام تھا ملاحظہ میں گزرا۔ میں نے بہت فکر دوڑایا۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر ہندوستان کے علماء کبار اور فضلاء عنا مدارس سے اُس کی بابت استصواب کیا تو بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ ہفوات صوفیہ ہیں۔ اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی ارقام کیا کہ یہ شطحیات صوفیہ ہیں۔ یعنے یہ کلام مہمل اور ناکام ہے اور لغویات صوفیا عظام ہے۔ بعدہ ایک دن اتفاقاً ایک مقدمہ کے دوران میں ساہیوال کے مقام تک میرا جانا ہؤا جو وہاں حاکم کا قیام تھا اور اُس کی پیشی میں مجھے حاضری کا فرمان تھا۔ جب اُس کے محکمہ سے میں فارغ المرام ہؤا تو دل میں خیال آیا کہ اس محال سے سیال شریف بہت قریب ہے۔ جا کر شمس الانوار کی مزار کا ذرہ دیدار کرلوں پس وہاں سے چل کر خانقاہ انور پر حاضر ہؤا۔ اور بعد حصول آستان بوسی اور خاک لیسی حضرت صاحب ثانی کی قدمبوسی کی تو آپ اُس وقت حیات اللہ خان افغان سے کچھ بیان فرما رہے تھے۔ فی الحال کشف کمال سے میرے خیال کو جو ہر وقت لاحق حال تھا۔ اُس ذوالعلوم نے مفہوم کیا۔ اور خان صاحب مذکور کو بدستور مخاطب رکھکر اُن کلمات مشکلات کا جو میرے دل میں محظور تھے جواب باصواب دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ فی الآن اُس لاحل کلام کے معانی تمام باحسن ترین آئین سے مجھے ذہن نشین

ہوگئے۔ دل کے خطرات اور تفکّرات خاطر حزین سے سب چلے گئے ÷ رباعی

چوں حیات حضرت ثانی بہ آخر حد رسید	مرض وجع الاذن لاحق گشت تا ہدیث بدید
پس بہ امرِ کردگار از عالمے ناپائدار	رخت خود باعزو حرمت جانبِ جنت کشید

جب وہ پیشوائے عارفان زمان اور برگزیدہ دانایان جہان اپنی اولادِ کرام کے سب کاموں کو سرانجام کر کے فارغ المرام ہو چکے تو بتقدیر کردگار کان کے درد سے بیمار ہوگئے۔ اور مدت بسیار بیقرار رہے۔ طبیبان حاذقین اور ڈاکٹران عاقلین نے علاج سازی میں بڑی حیلہ پردازی کی۔ مگر بیماری کی حدت سے کچھ خفت نہ ہوئی۔ بلکہ دن بدن مرض بڑھتی گئی اور قوت گھٹتی گئی۔ آخرہ بامر سبحان وہ قدوۂ دوران ۲۔ ماہ رجب سنہ ۱۳۷۲ھ ہجری کو دار ناپائدار سے رحلت گزین ہو کر جنت بریں میں راحت نشین ہوئے۔ تمام غلامان پس ماندگان مفارقت کے بیابان میں پریشان اور سرگردان ہو رہے۔ اس غم اور الم سے کل عالم میں ایک ایسا ماتم رونما ہوا۔ جس سے ہر اطراف اور ہر اکناف میں ایک محشر برپا ہوگیا ہر انسان کی جان بریان سے درد کی فغاں آرہی تھی۔ گویا تمام زمین غمگین ہو کر بصد سوز و گداز درد کے آواز سے شور مچا رہی تھی ÷

رباعی فراقیہ

از فراقش در جہاں برخاستہ شور و فغاں	گشت نالاں جن و انسان ہم زمین و آسمان
خادمانِ درگہش دیوانہ وش پُر درد و غم ÷	گاہ افتاں گاہ خیزاں و ستہ حسرت بے زبان

آخر آپ کی لاشِ مبارک کو غسل باطہارت دیگر تجہیز اور تکفین کے بعد شمس الانوار کے دربار پر بہ شمولیت ہزاران ہزار صلحا اور ابرار نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور خلقت زوّار بے شمار آپ کے چہرہ تابدار سے جو پر رحمت کردگار خورشید کی مثل انوار کے چمکار نمودار تھے دیدار سے مشرف ہوئی۔ بعدۂ اُس مغفور رب العالمین کو صندوق چوبین میں بہ عظمت تریں رکھ کر حضرت شمس العارفین کے روضہ بریں میں مدفون کیا گیا ÷